مشکلات القرآن

❖ **تصنیف** : امام العصر حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ

ترجمہ : محترم مولانا محمد مزمل بدایونی / استاذ دار العلوم دیوبند

قرآن کریم کے ہر پہلو اور ہر گوشے پر ماشاء اللہ خوب کام ہوا ہے اور ہو رہا ہے، البتہ مشکلاتِ قرآنی ایک ایسا موضوع ہے، جس پر عربی میں بھی کام کی مقدار بہت کم ہے اور اردو میں تو تقریباً ناپید ہے۔ امام العصر حضرت علامہ سید محمد شاہ کشمیری علیہ الرحمہ نے عدیم الفرصتی کے باوصف اب سے کئی سال پیش تر ایک وقیع کتاب بنام ''مشکلات القرآن'' تصنیف فرمائی تھی، جو اپنے موضوع پر سند کا درجہ رکھتی ہے، لیکن اختصار اور عربی میں ہونے کے باعث اس سے کماحقہٗ استفادہ نہیں کیا جاسکا، ضرورت تھی کہ اس کا اردو ترجمہ ہو اور قدرے تسہیل بھی، خدا کا فضل ہے کہ دار العلوم دیوبند کے مقبول اور نمایاں استاذ فاضل گرامی مولانا محمد مزمل صاحب بدایونی زید مجدہٗ نے یہ کام شروع کر دیا ہے، جس کی پہلی قسط ہدیۂ قارئین ہے، کام خاصا دقیق ہے اور طویل بھی، دعا فرمائیں کہ یہ سلسلہ بعافیت پایۂ تکمیل کو پہنچے اور اہل علم کے لئے سرمۂ بصیرت ثابت ہو۔

واضح رہے کہ ترجمے کے وقت کتاب ''مشکلات القرآن'' کی عبارات کو حوض (بوکس) میں کر دیا گیا ہے اور اس کے حوالہ جات کو حسبِ سابق حاشیے میں، علاوہ ازیں جابجا مترجم موصوف نے بھی اپنے بیش قیمت حواشی تحریر فرمائے ہیں، جس سے بلاشبہ کتاب کی افادیت دوچند ہوگئی ہے۔ **فجزاہ اللہ احسن الجزاء**. (ادارہ)

زیرِ نظر کتاب مخدوم و مربی محدّثِ وقت امام العصر حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہٗ کے گراں قدر مسودات کا مجموعہ ہے، جو احقر نے ترتیب دیا ہے اور حتی الوسع کتابوں کے حوالے بھی جمع کر دیئے ہیں۔ مسودات کی ترتیب و تہذیب اور حوالہ جات کی تخریج و تحقیق میں احقر کا جو طریقۂ کار رہا ہے اس کی تفصیل کتاب کے مقدمے میں موجود ہے۔ حاصل یہ ہے کہ حضرت کی عبارتیں بغیر کسی ادنیٰ تغیر و تبدیلی کے متن میں دی گئی ہیں اور حوالہ جات کی عبارتیں حاشیے میں۔ بلاشبہ اللہ ہی توفیق دینے والا اور آسانی پیدا کرنے والا ہے اور اسی پر بھروسہ ہے۔

احقر محمد احمد رضا بجنوری عفا اللہ عنہ

ناظم مجلس علمی، ڈابھیل

حضرت امامؒ نے فرمایا:

۱-اللہ تعالیٰ کا ارشاد "صراط الذین انعمت علیهم"، "فبهداهم اقتده" (والی آیت پیش نظر رکھ کر سمجھیں) (الیواقیت)

۱-اگر آپ یہ معلوم کریں کہ آپ ﷺ سابق انبیاء کرام کے محمود تھے، اس پر قرآن کریم سے کیا دلیل ہے۔ تو میں عرض کروں گا کہ اس کی دلیل فرمانِ باری تعالیٰ "اولئك الذین هَدی الله فبهداهم اقتده" ہے (یہ وہ لوگ تھے جن کو ہدایت کی اللہ نے سو تو چل ان کے طریقے پر) یعنی ان کا طریقہ (دراصل) آپ کا ہی وہ طریقہ ہے جو باطنی طور پر آپ سے ان کی جانب سرایت کیا ہوا ہے۔ اس لئے جب آپ ان کے طریقے کو اختیار کریں گے (تو کوئی آپ کی شان میں نقص کی چیز نہیں؛ کیوں کہ) یہ ان کا آپ کے ہی طریق کو اختیار کرنا ہے، اس لئے کہ باطنی طور پر آپ کو اولیت اور ظاہراً آپ کو آخرویت حاصل ہے اور اگر "ہداہم" سے مراد اس کے علاوہ کچھ اور ہوتا جو ہم نے لکھا ہے تو اللہ تعالیٰ "فبهم اقتده" فرماتے اور حدیث شریف: كنت نبيا و آدم عليه السلام بين الماء و الطين (میں نبی اسی وقت ہو چکا تھا جب آدم علیہ السلام پانی اور گارے کے درمیان ہی تھے) پہلے آ چکی ہے۔ لہٰذا ہر وہ نبی جو آپ کے وقتِ ظہور سے پہلے آیا ہے وہ اس شریعت کے لانے میں آپ کا ہی نائب ہے اور اس کی تائید حضور ﷺ کی ایک حدیث میں اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میری دونوں چھاتیوں کے درمیان رکھا، یعنی جیسا کہ جناب باری تعالیٰ کے شایانِ شان تھا۔ تو مجھے اولین و آخرین کا علم حاصل ہو گیا کیوں کہ اولین سے مراد وہی انبیاء کرام ہیں جو آپ کے جسد شریف کے پس پردہ ہونے کے وقت ظہور میں آپ سے پہلے ہیں۔ (الیواقیت ۲/۱۸)

۲-قوله تعالیٰ "هدی للمتقین" اس آیت کے ذیل میں تقویٰ کے وہ مراتب (ملحوظ رہیں) جو ایمان سے موخر ہیں، امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر کے بعد۔

۲-چناں چہ تقویٰ کے دیگر مراتب ایمان سے مؤخر ہیں، لہٰذا معلوم ہوا کہ "تقویٰ" عرف شرع میں مختلف معنی میں آتا ہے، کبھی ایمان کے معنی میں آتا ہے جیسا کہ آیت "و الزمهم كلمة التقوىٰ" میں (اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تقویٰ کی بات پر جمائے رکھا) اور کبھی توبہ کے معنی میں آتا ہے جیسا کہ آیت کریمہ "ولو أن اهل القرىٰ آمنوا و اتقوا" میں (اور اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لے آتے اور پرہیز کرتے) کبھی طاعت کے معنی میں جیسا کہ آیت کریمہ "أن أنذروا أنهٗ لا الٰه الا أنا فاتقون" میں (یہ کہ خبردار کرو کہ میرے سوا کوئی لائق عبادت نہیں، سو مجھ سے ڈرتے رہو)، کبھی ترک گناہ کے معنی میں جیسا کہ "وأتوا البيوت من أبوابها واتقوا الله" والی آیت میں (اور گھروں میں ان کے دروازوں سے آؤ اور خدا تعالیٰ سے ڈرتے رہو) اور کبھی اخلاص کے معنی میں آتا ہے جیسا کہ آیت کریمہ "فإنها من تقوى القلوب" میں (تو ان کا یہ لحاظ رکھنا دل کے ساتھ ڈرنے سے ہوتا ہے)

۳-اللہ تعالیٰ کا ارشاد ’’أو کصیّب من السماء‘‘ (اس آیت میں ’’من السماء‘‘ کالفظ لانے کی وجہ یہ ہے کہ ’’صیّب‘‘ اپنے معنی حقیقی بارش کے معنی میں لیا جائے اور کوئی اس لفظ کو معنی مجازی (نفع کثیر) پر محمول نہ کرلے) جیسا کہ ’’و اذا استیقظ احدکم من منامه‘‘ میں محدثین نے فرمایا ہے کہ ’’من منامه‘‘ کالفظ زائد لانے کا مقصد اس وہم کو دور کرنا ہے کہ کوئی ’’استیقاظ‘‘ کو (خواب طبعی نیند کے بجائے) خواب غفلت سے بیدار ہونے پر محمول نہ کرلے (یہ تاویل) شریک بن ابی نمر کی حدیث میں بھی کام آئے گی اور اسی طرح آیت کریمہ ’’من کان عدواً لجبریل فإنه نزلهٗ علیٰ قلبك بإذن اللّٰه‘‘ (جو شخص بھی جبرئیل سے عداوت رکھے سو انہوں نے یہ قرآن آپ کے قلب تک پہنچا دیا ہے خداوندی حکم سے) میں (یہ تاویل کام آئے گی کہ ’’باذن اللہ‘‘ کا اضافہ اس وہم کو دور کرنے کے لئے ہے کہ یہ قرآن کریم خود حضرت جبرئیل علیہ السلام کا کلام نہیں بلکہ کلام الٰہی ہے وہ تو سفیر محض ہیں) یہ آیت آں حضرت ﷺ کی نیند کی کیفیت (وغیرہ) کے سلسلے میں عبداللہ بن صوریا کے سوال کے جواب میں نازل ہوئی۔

۳-اس آیت کا شانِ نزول تفسیر ابن جریر ابن ابی حاتم اور دیگر کتب حدیث مثلاً بیہقی، طبرانی، مسند امام احمد اور مسند عبد بن حمید میں اس طرح مروی ہے کہ جب آں حضرت ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہود کی ایک بڑی جماعت تفتیش حال کے لئے ان کے پاس آئی، ان کا سردار عبداللہ بن صوریا جو کہ علمائے فدک میں سے تھا، امتحان کے طور پر سوال کرنے لگا کہ پہلے ہم کو اپنے سونے کی کیفیت کے بارے میں بتائیں کیوں کہ پیغمبر آخرالزماں کے سونے کی کیفیت کے بارے میں ہماری کتابوں میں ایک علامت آئی ہے۔ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ وہ علامت آپ کے اندر موجود ہے یا نہیں؟ آں حضرت ﷺ نے فرمایا کہ میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا اور غافل نہیں ہوتا۔اگر یہی علامت ہے تو میرے اندر موجود ہے۔عبداللہ بن صوریا نے کہا آپ نے صحیح فرمایا، یہی علامت ہے۔اب ہم آپ سے چند چیزوں کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ ان چیزوں کو پیغمبروں کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔آپ نے فرمایا: کہ جو چاہو پوچھو لیکن میں تم سے خدا کی قسم لیتا ہوں اور وہ عہد لیتا ہوں جو حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے فرزندوں سے لیا تھا، وہ یہ کہ اگر میں تمہیں ان چیزوں کے بارے میں بتادوں تو تم ایمان لے آؤ گے اور میری اطاعت کرلوگے؟ سب نے کہا کہ قبول ہے الخ۔(فتح العزیز،ص:۳۴۹) (انہیں سوالوں میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ آپ کے پاس یہ کلام (قرآن کریم) کون لاتا ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ جبرئیل علیہ السلام! اس پر ان یہود نے کہا کہ وہ تو ہم سے پرانی دشمنی رکھتے ہیں، ہمارے ساتھ جو بڑے حادثات ہوئے ہیں وہ انہیں کے ہاتھوں انجام پائے ہیں۔ہاں حضرت میکائیل علیہ السلام اچھے ہیں، وہ بارش اور خوش حالی کا نظم کرتے ہیں، اگر وہ لاتے تو ہم قبول کرلیتے۔اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔محمد مزمل

۴-ارشاد باری تعالیٰ "قالوا ھٰذا الذی رزقنا من قبل" (ہر بار میں یہی کہیں گے کہ یہ تو وہی ہے جو ہم کو ملا تھا اس سے پیشتر) اس لئے کہ جزا در حقیقت دوسرے لباس میں مجزی علیہ کا ظہور ہے۔

۴-حضرت کشمیری علیہ الرحمہ نے اس آیت کریمہ میں بس اتنا ہی اشارہ کیا ہے جس کا ترجمہ اوپر کیا گیا، لیکن یہ حضرت کی انتہائی مختصر عبارت کچھ وضاحت کی متقاضی ہے۔ حضرت الامام نے فارسی کا یہ جملہ جس کا ترجمہ کیا گیا تفسیر فتح العزیز سے لیا ہے۔ راقم نے تفسیر فتح العزیز کی مکمل عبارت سے اس کا مطلب یہ سمجھا ہے کہ اہل جنت یہ جو کہیں گے کہ "یہ تو وہی ہے جو ہم کو ملا تھا اس سے پیشتر" تو اس میں پیشتر سے مراد پھل نہیں ہیں بلکہ وہ طاعات و عبادات ہیں جو وہ دنیا میں انجام دیتے تھے اور ان میں وہ عجیب وغریب لذت محسوس کرتے تھے، جو ہر کس و ناکس کو نہیں بلکہ اہل دل اور خواص ہی کو محسوس ہوتی ہے، پھر جب ان کو ان عبادات کی جزا جنت میں دی جائے گی تو چوں کہ جزا در حقیقت مجزی علیہ کا ہی دوسرے لباس میں ظہور ہوتا ہے تو اس جزا میں بھی مجزی علیہ (طاعات) جیسی ہی لذت محسوس کریں گے اور پھر وہ بات کہیں گے جو آیت میں مذکور ہے۔ آیت کریمہ کا یہی محمل حضرت تھانوی علیہ الرحمہ نے بھی مسائل السلوک میں بیان کیا ہے۔ محمد مزمل

۵-اللہ تعالیٰ کا ارشاد "الذین ینقضون عهد الله من بعد میثاقه" (جو کہ توڑتے رہتے ہیں اس معاہدے کو جو اللہ تعالیٰ سے کر چکے تھے اس کے استحکام کے بعد) ابتداء سورت سے انتہائی لطیف اور مختصر پیرائے میں اس حقیقتِ ایمان کا بیان تھا اور اس آیت کے ذیل میں اس بات کا بیان ہے کہ اسلام، خدا کے ساتھ معاہدہ ہونے کا نام ہے۔

۵-الف: ایمان شرعی اصطلاح میں تصدیق کا نام ہے، یعنی ان تمام چیزوں کو مان لینا اور یقین کر لینا جن کا دین محمد (علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) میں سے ہونا یقینی طور پر معلوم ہو جائے اس لئے کہ ایمان کو قرآن کریم میں جگہ جگہ دل کا عمل فرمایا گیا ہے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں "وقلبهٗ مطمئن بالایمان" (بشرطیکہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو۔ نحل:۱۰۶) دوسری جگہ فرماتے ہیں "کتب فی قلوبهم الایمان" (ان لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان ثبت کر دیا ہے۔ مجادلہ:۲۲) ایک اور جگہ پر ہے "ولما یدخل الایمان فی قلوبکم" (اور ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔ الحجرات:۱۴) اور ظاہر ہے دل کا عمل یہی تصدیق ہے اور کچھ نہیں۔ نیز ایمان کو عمل صالح کے ساتھ ساتھ بیان کیا گیا ہے جیسا کہ آیت کریمہ "إن الذین آمنوا و عملوا الصٰلحٰت" میں (بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے۔ البروج:۱۱) اور معاصی کے ساتھ بھی (ایمان کو) بیان کیا گیا ہے جیسا کہ "و ان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا" والی آیت میں (اور اگر مسلمانوں میں دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں۔ الحجرات:۹) اور آیت کریمہ "والذین آمنوا ولم یهاجروا" میں بھی (اور جو لوگ ایمان تو لائے اور ہجرت نہیں کی۔ الانفال:۷۲) اس سے معلوم ہوا کہ نہ نیک اعمال کا ایمان میں دخل

ہے اور نہ اعمال بد ایمان کو خراب کرتے ہیں اور بے تصدیق کے صرف اقرار ہو تو اس کی اسی سورہ (بقرہ) میں آیت کریمہ "و من الناس من یقول آمنا باللّٰہ وبالیوم الآخر وماھم بمؤمنین" میں مذمت کی گئی ہے (اور لوگوں میں بعضے ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ پر اور آخری دن پر حالاں کہ وہ بالکل ایمان والے نہیں۔ البقرۃ:۸) لہٰذا معلوم ہوا کہ اقرار محض، ایمان کی حکایت ہے۔ اگر وہ حکایت محکی عنہ کے مطابق ہے تو بہت خوب! ورنہ دھوکے اور جھوٹ کے سوا کچھ نہیں! اور محکی عنہ وہی تصدیق قلبی ہے۔

اس مقام کی تحقیق یہ ہے کہ جس طرح ہر چیز کے تین قسم کے وجود ہوتے ہیں: وجودِ عینی، وجودِ ذہنی اور وجودِ لفظی، اسی طرح ایمان بھی ان تین وجود کے ساتھ متحقق ہے اور یہ قاعدہ ثابت شدہ ہے کہ ہر چیز کا وجود عینی اصل ہوتا ہے اور باقی دونوں وجود اس وجود کی فرع اور تابع ہوتے ہیں، پھر ایمان کا وجود عینی وہ نور ہے جو بندے اور ذات حق (جل مجدہ) کے درمیان پردہ اٹھ جانے سے دل میں حاصل ہوتا ہے اور یہی نور ہے جو آیت کریمہ "مثل نورہٖ کمشکوۃ فیھا مصباح" میں مکمل واضح تمثیل میں ذکر کیا گیا ہے (اس کی حالت عجیبہ ایسی ہے جیسے ایک طاق ہے اس میں ایک چراغ ہے۔ النور:۳۵) اور آیت کریمہ "اللّٰہ ولی الذین آمنوا یخرجھم من الظلمٰت الی النور" میں اس کا سبب بیان کیا گیا ہے (اللہ تعالیٰ ساتھی ہے ان لوگوں کا جو ایمان لائے ان کو تاریکیوں سے نکال کر یا بچا کر نور کی طرف لاتا ہے۔ البقرہ:۲۵۷) اور یہ نور محسوس انوار کی طرح قوت وضعف اور شدت ونقص کو قبول کرتا ہے جیسا کہ آیت کریمہ "و إذا تلیت علیھم آیاتہ زادتھم ایمانا" میں مذکور ہے (اور جب اللہ کی آیتیں ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ آیتیں ان کے ایمان کو اور زیادہ تازہ کر دیتی ہیں۔ الانفال:۲) اور اسی مضمون کی دوسری بہت سی آیتیں ذکر کی گئی ہیں۔

ایمان کی زیادتی کا طریقہ یہ ہے کہ جس قدر وہ حجاب اٹھے گا اسی قدر وہ نور زیادتی قبول کرے گا اور ایمان قوی ہوگا یہاں تک کہ وہ اپنے اوجِ کمال کو پہنچ جائے گا اور وہ نور وسیع اور کشادہ ہو کر تمام اعضاء وقویٰ کا احاطہ کر لیتا ہے تو سب سے پہلے شرح صدر حاصل ہوتا ہے، حقائق اشیاء سے واقف ہو جاتا ہے، غیوب (بعض پوشیدہ امور) اس کی قوت مدرکہ پر واشگاف ہو جاتے ہیں، ہر چیز کو اس کے مقام کے مطابق پہچانتا ہے اور انبیاء کرام نے جو بھی اجمالی وتفصیلی خبریں دی ہیں ان میں انبیاء کا صدق اس کے لئے ایک وجدانی چیز بن جاتا ہے، پھر اپنے نور اور شرح صدر کے بقدر اس کے دل میں یہ داعیہ پیدا ہوتا ہے کہ ہر امر خداوندی کو اس کی مرضی کے مطابق بجالائے اور ہر ممنوع شرعی سے اجتناب کرے اور اس حالت میں اخلاق فاضلہ، کیفیاتِ حمیدہ اور اعمالِ صالحہ متبرکہ کے انوار، انوارِ معرفت کے ساتھ مل کر اور متحد ہو کر ایک عجیب سا چراغ بن کر حیوانی اور شہوت پسند طبیعت کے تاریک چمن کو روشن کر دیتے ہیں جیسا کہ اس مضمون کی جانب بہت سی آیاتِ قرآنیہ میں اشارہ ہوا ہے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں: "نورھم یسعٰی بین أیدیھم و بأیمانھم" (ان کا نور ان کے سامنے اور ان کے داہنے دوڑتا ہوگا: التحریم:۸)

اور ایک جگہ فرمایا گیا ہے: "**نور علیٰ نور یهد الله لنوره من یشاء**" (نور علیٰ نور ہے اللہ تعالیٰ نور تک جس کو چاہتا ہے، راہ دیدیتا ہے۔ النور: ۳۵)

اور ایمان کے وجود ذہنی کے دو مرتبے ہیں: پہلا مرتبہ ان روشن معارف اور منکشف ہونے والے غیوب کا مکمل طور پر بیک مرتبہ اجمالاً ملاحظہ کرنا جو کلمہ "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کا حاصل ہیں اور اس ملاحظہ کا نام تصدیق اجمالی، ماننا اور باور کرنا ہے۔ دوسرا مرتبہ تجلی پذیر مغیبات اور منکشف ہونے والی حقیقتوں کے افراد میں سے ہر ہر فرد کا ان کے باہمی ربط کا لحاظ کرتے ہوئے تفصیلی طور پر ملاحظہ کرنا اور اس ملاحظے کا نام (علماء کرام) تصدیق تفصیلی رکھتے ہیں۔

اور ایمان کا وجود لفظی شارع کی اصطلاح میں صرف شہادتین کا نام ہے اور ظاہری بات ہے کہ کسی چیز کا وجود لفظی اس چیز کی حقیقت متحقق ہوئے بغیر بالکل فائدہ نہیں دیتا، ورنہ تو پیاسا پانی کا نام لینے سے ہی سیراب ہو جاتا اور بھوکا روٹی کا نام لیتے ہی تسلی حاصل کر لیتا، لیکن بات یہ ہے کہ عالم بشریت میں مافی الضمیر کی ادائیگی نطق وتلفظ کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے، اس لئے لابدی طور پر کسی بھی شخص کے ایمان کا حکم لگانے میں کلمہ شہادت کے تلفظ کو بہت بڑا دخل ہے۔ فرماتے ہے: "**امرت أن اقاتل الناس حتی یقولوا لا اله الا الله فإذا قالوها عصموا منی دمائهم و اموالهم إلا بحقها و حسابهم علی الله**" (مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے قتال کرتا رہوں یہاں تک کہ وہ لا الٰہ الا اللہ کہہ دیں اور جب وہ یہ کہہ دیں تو انہوں نے میری جانب سے اپنے خون اور مال محفوظ کر لئے، سوائے ان (خون ومال) کے حق کے اور ان کا حساب اللہ کے سپرد ہے) اور اس تحقیق سے ایمان کی کمی وزیادتی اور اس کے قوت وضعف کی کیفیت بھی معلوم ہو گئی اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ وہ جو حدیث صحیح میں آیا ہے کہ "زانی جس وقت زنا کرتا ہے تو مومن ہونے کی حالت میں زنا نہیں کرتا" اور "حیا ایمان کا شعبہ ہے" اور "تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کا پڑوسی اس کی شرارتوں سے محفوظ نہ ہو جائے" سب ایمان کے وجود عینی کے اعتبار سے کمالِ ایمان پر محمول ہیں اور جن حضرات نے ایمان کی کمی، زیادتی کی نفی کی ہے ان کی مراد وجود ذہنی کا مرتبہ اول (ملاحظہ اجمالی) ہے، اس لئے کوئی نزاع واختلاف نہیں ہے۔

پھر ایمان کی دو قسمیں ہیں: اول ایمان تقلیدی، دوم ایمان تحقیقی۔ پھر ایمان تحقیقی کی دو قسمیں ہیں: استدلالی اور کشفی۔ پھر ان دونوں میں سے ہر ایک یا تو اپنی انتہا کو پہنچ جائے گا کہ اس سے آگے تجاوز نہ ہو سکے یا انتہائی کمال کو نہیں پہنچے گا اور جو اپنی انتہاء کو پہنچ جائے گا اس کو علم الیقین کہیں گے اور جو انتہاء کو نہیں پہنچتا اس کی بھی دو قسمیں ہیں: یا تو مشاہدے سے ہوگا جو عین الیقین کا مصداق ہے یا حضور ذاتی ہوگا جو حق الیقین کا مصداق ہے اور یہ اخیر کی دو قسمیں یعنی عین الیقین اور حق الیقین ایمان بالغیب سے متعلق نہیں ہوتی ہیں۔ (فتح العزیز: ۸۷-۸۸)

۵-ب: "**الذین ینقضون عهد الله من بعد میثاقه**" (جو کہ توڑتے رہتے ہیں اس معاہدے کو جو اللہ تعالیٰ سے کر چکے تھے اس کے استحکام کے بعد۔ البقرہ: ۲۷) اس جگہ یہ جاننا چاہئے کہ جب ایک شخص کلمہ اسلام

زبان پر لے آیا، پیغمبر یا اس کے کسی خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت کرلی، رسول کو قاصد اور نائب خدا تصور کرلیا تو خدا کے ساتھ عہد ہوگیا کہ اس کا جو بھی حکم اس پیغمبر کے واسطے سے اس تک پہنچے گا وہ اس کو قبول کرے گا اور جب رسول کی صحبت سے شرف یاب ہوگیا یا نبی کی سیرت و عادات پر مشتمل کتابوں کا مطالعہ کرلیا اور نبی کے اس اخلاق و کردار سے واقف ہوگیا جو سراپا ان کی حقانیت کی دلیل ہیں یا نبی کے معجزات اور اولیاء امت کی کرامات کا مشاہدہ کرلیا یا سن لیا تو اس نے اس عہد کو پختہ کرلیا، اب اس حالت کے بعد معاذ اللہ اگر اسلام کے معاملے میں اس کے دل میں کوئی شبہ جگہ پکڑ گیا اور اس شبہ کی وجہ سے وہ شرعی احکام میں طعن و تشنیع کرنے لگا تو یقینی بات ہے کہ وہ حد عقل و شرع سے خارج ہوگیا اور گمراہی کے اعلیٰ مرتبہ پر ترقی کر گیا، جو اسلام میں داخل ہونے، رسول اور اس کے معجزات کو دیکھنے یا رسول کے اخلاق و کردار کو سننے سے پہلے اس کو حاصل نہ تھا، لہٰذا یہ اس بات کی واضح علامت ہے کہ یہ شخص سرکش، کفر کی ادنیٰ حد سے خارج اور کفر کے اعلیٰ مقام پر پہنچا ہوا ہے۔ (فتح العزیز: ۱۴۳)

مشکلات القرآن

❖ **تصنیف** : امام العصر حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ

ترجمہ : محترم مولانا محمد مزمل بدایونی / استاذ دار العلوم دیوبند

۶-اللہ تعالیٰ کا ارشاد ”کیف تکفرون باللّٰہ و کنتم أمواتاً فأحیاکم ثم یمیتکم“ الآیۃ (بھلا کیوں کر ناسپاسی کرتے ہو اللہ کے ساتھ حالاں کہ تھے تم محض بے جان سو تم کو جاندار کیا، پھر تم کو موت دیں گے، پھر زندہ کریں گے، پھر انہیں کے پاس لے جائے جاؤ گے)

۶-(اس آیت کے ذیل میں حضرت کشمیری علیہ الرحمہ نے تفسیر فتح العزیز سے ایک اقتباس نقل کیا ہے اس کو سمجھنے کے لئے قدرے وضاحت کی ضرورت ہے، وہ یہ کہ آیت کریمہ ”ثم یحییکم“ کو جمہور مفسرین نے اس حیات پر محمول کیا ہے جو قیامت کے بعد حشر کے دن انسان کو دی جائے گی لیکن بعض مفسرین نے اس کو حیات قبر پر محمول کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ حیات حشر کا بیان ”ثم الیہ ترجعون“ میں ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا بعض مفسرین کی یہ رائے درست ہے؟ حضرت شاہ عبد العزیز رحمہ اللہ تعالیٰ اس رائے کی تردید فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اگر اس رائے کو درست مانا جائے تو دو خرابیوں میں سے ایک خرابی ضرور لازم آئے گی یا تو یہ خرابی لازم آئے گی کہ جب قبر میں حیات دی جا چکی تو حشر میں دوبارہ زندہ کئے جانے کا مطلب؟ اس سے تو باحیات کو حیات دینا لازم آتا ہے جو یقیناً خلافِ عقل اور باطل ہے یا پھر یہ کہا جائے کہ حیات قبر کے بعد پھر موت دی جائے گی اور پھر حشر میں حیات ہوگی تو یہ خلاف اجماع ہوگا کیوں کہ قبر اور حشر کے درمیان موت آنے کا کوئی قائل نہیں ہے، اس لئے ”ثم یحییکم“ کو حیات قبر پر محمول کرنا درست نہیں ہے، پھر حضرت شاہ عبد العزیز رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ قبر میں حیات در حقیقت نہیں ہوتی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:)

”بلکہ تحقیق یہ ہے کہ حیات کے معنی ہیں روح کا بدن سے تعلق ہونا اور قبر میں روح کا بدن سے کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے بلکہ روح کے بدن سے جدا ہونے کے بعد بھی روح والا شعور اور ادراک بدن کے ساتھ باقی رہتا ہے، اسی کو حیات سے تعبیر کر دیتے ہیں۔“

۷-ارشاد خداوندی ”ثم استویٰ الی السماء فسوّٰھن سبع سمٰوٰت“ (پھر توجہ فرمائی آسمان کی

طرف، سو درست کر کے بنا دیے ان کو سات آسمان) آسمان کی درستگی اور زمین کا بچھانا دونوں کے جو ہر کو ایک ساتھ جمع کرنے کے بعد ہوا ہے، اس لئے آسمان کی درستگی کو زمین کے بعد کہنا یا زمین کے بچھانے کو آسمان کے بعد کہنا دونوں ہی صحیح ہے۔

۷-حضرت کشمیریؒ نے اس مختصر سے نوٹ میں ایک تفسیری بحث کا حل اور ایک شبہ کا ازالہ کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ مذکورہ بالا آیت میں زمین کی تمام چیزوں کی تخلیق ہو جانے کے بعد آسمانوں کا بنایا جانا مذکور ہے اور سورہ نازعات میں ''**والأرض بعد ذلك دحٰها**'' آیا ہے (اور اس کے بعد زمین کو بچھایا) اس آیت میں آسمان کو پہلے بنانا اور اس کے بعد زمین کو بچھانا مذکور ہے۔ اب ان دونوں آیتوں میں تعارض ہو رہا ہے۔ حضرت نے اس تعارض کے حل کی طرف رہنمائی کی ہے، پھر یہ بھی شبہ ہوتا ہے کہ سورۂ بقرہ کی مذکورہ بالا آیت سے زمین کی تمام چیزوں کی تخلیق پہلے اور آسمان کی تخلیق اس کے بعد معلوم ہوتی ہے جب کہ یہ بداہت کے خلاف ہے، اس لئے کہ زمین میں بہت سی ایسی چیزیں ہیں جن کا وجود آسمانی چیزوں مثلاً کواکب وغیرہ کے اثرات کا نتیجہ ہوتا ہے تو جب آسمان کی تخلیق پہلے نہ ہو تو زمین کی تمام چیزوں کا وجود کیسے ہوگا؟ جو ''**خلق لکم مافی الارض جمیعاً**'' سے سمجھ میں آتا ہے۔ حضرت کشمیریؒ نے دفع تعارض کے ساتھ ساتھ اس شبہ کا ازالہ بھی کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ زمین وآسمان کا جو ہر وخمیر تو باری تعالیٰ نے ایک ساتھ جمع کر لیا، پھر تخلیق ہوئی اس لئے آسمان کی تخلیق پہلے اور زمین کی تخلیق بعد میں بتائی جائے تب بھی صحیح ہے اور اگر اس کے برعکس کہا جائے تب بھی صحیح ہے۔ اس لئے تقدیم وتاخیر کا تعارض یا خلاف بداہت کا شبہ نہیں ہونا چاہئے! واللہ اعلم

اس تعارض کے دفع اور شبہ کے ازالے کے لئے بیان القرآن اور معارف القرآن ادریسی سے بھی مراجعت فرمائیں، ان میں اچھی توجیہات پیش کی گئی ہیں۔ (محمد مزمل)

۸-قولہ تعالیٰ ''**و إذ قال ربك للملئكة انی جاعل فی الارض خلیفة**'' (اور جس وقت ارشاد فرمایا آپ کے رب نے فرشتوں سے کہ ضرور میں بناؤں گا زمین میں ایک نائب) اس ارشاد باری میں اللہ پر ایمان کے بعد نبوت کا مسئلہ مذکور ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ ایسا بندہ بھیجیں گے جس کی اطاعت فرض ہوگی اور یہ کہ اللہ کی اطاعت وہی معتبر ہوگی جو اللہ کے ہی حکم سے غیر اللہ کی اطاعت کے ذریعہ ہو اور وہ (اطاعت غیر) اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے حق میں فاصلہ اور واسطہ ہوگی، یہی معنی اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''**اطیعوا اللّٰه و اطیعوا الرسول**'' اور ''**الا لیطاع**'' کے ہیں اور قرآن کریم سے ہی اخذ کر کے انہیں دونوں چیزوں کو الگ سے ظاہر کرنے کے لئے ''**قل و من یعص اللّٰه و رسوله**'' والی حدیث آئی ہے اور شاید اپنی عقل کے تقاضے سے کسی کی اطاعت خود اپنے نفس کی اطاعت ہوگی (کہ اپنی عقل ونفس نے جس کی اطاعت سمجھا دی اسی کی اطاعت میں لگ گئے) اور غیر اللہ

کی اطاعت کی پہچان ذات مطاع کے حکم سے ہوگی اور اس آیت میں اس بات کا بھی بیان ہے کہ حسن و قبح شرعی ہے یا عقلی؟ نیز شہرستانی کے ذکر کے مطابق اس میں عدل و جور اسماء و احکام اور وعد وعید کا بھی بیان ہے اور اس میں خیر و شر کی تقدیر کا نیز اس بات کا بیان ہے کہ (ہر چیز) کی انتہا اللہ تعالیٰ کے علم پر ہے اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو اسماء سکھائے اور یہ کہ شرف، بندگی اور رجوع الی اللہ میں ہے اور اللہ تعالیٰ سے کسی چیز کے بارے میں سوال نہیں ہوسکتا اور بندوں سے ہر چیز کا سوال کیا جائے گا اور اس میں ایجاب واختیار کا مسئلہ اور مراحم خسروانہ وشاہانہ کا بیان ہے اور یہ آخری تدبیر ہے جو ہر گناہگار کو حاصل ہوں گی کیوں کہ اللہ کی رحمت اس کے غضب پر سبقت لئے ہوئے ہے اور اس میں تمام لوگوں کے مقابل انبیاء کرام کی فضیلت کا بیان ہے اور قرآن کریم کے معجزات میں سے یہ بھی ہے کہ وہ مؤثر اوصاف ذکر کر دیتا ہے اور ان پر عمل کی صورت حدیث شریف کے حوالے چھوڑ دیتا ہے، پھر وہ اوصاف نہ صرف یہ کہ اعتقاد کے اعتبار سے ظہور پذیر ہوتے ہیں بلکہ بعض صورتوں میں عملی حیثیت سے بھی ظاہر ہوتے ہیں جیسا کہ ''**و اقم الصلوٰۃ لذکری**'' اور حدیث شریف ''**فانه لا صلاة لمن لم يقرأ بها**'' میں ہوئے ہیں۔

۸-صاحب افاداتؒ نے اس آیت کے ذیل میں جن طویل اور دقیق بحثوں کی طرف اشارہ کیا ہے ان کی تفصیل راقم کی نظر میں اس ترجمے کے ساتھ چنداں مناسب نہیں ہے اس کے لئے تو مستقل ایک طویل مضمون کی ضرورت ہے اگر اللہ تعالیٰ نے توفیق ارزانی فرمائی تو انشاء اللہ قارئین کی خدمت میں آئندہ کسی موقع پر پیش کیا جائے گا۔ (محمد مزمل)

۹-ارشاد خداتعالیٰ ''**انی اعلم مالا تعلمون**'' (میں جانتا ہوں اس بات کو جس کو تم نہیں جانتے) انسانی اعضاء و جوارح پر — جو انسان کے لئے عالم کائنات اور عالم وجود وشہود کے درجے میں ہیں — اقوال وافعال میں سے جو چیز بھی ظاہر ہوتی ہے سب سے پہلے اس کا وجود روح کے درجے میں ہوتا ہے جو غیب الغیب سے بھی اوپر کا درجہ ہے (انتہائی مخفی اور پوشیدہ کہ اس تک رسائی قدرت انسانی سے باہر ہے) پھر اس کا وجود دل میں ہوتا ہے جو غیب الغیب کا مرتبہ ہے، پھر قوائے نفسانیہ میں وجود ہوتا ہے جو انسان کے لئے سب سے ادنیٰ غیب اور اس کے لئے ''آسمان دنیا'' کا مقام رکھتے ہیں، اس کے بعد وہ چیز (قول و فعل) اعضاء و جوارح پر ظاہر ہوتی ہے۔

۹-اس آیت کے تحت حضرت علامہؒ نے جو کچھ تحریر کیا ہے وہ بہت اختصار لئے ہوئے ہے، اس کو سمجھنے کے لئے وضاحت ناگزیر ہے وہ یہ کہ بعض صوفیاء کرام کا کہنا یہ ہے کہ دنیا میں جو چیز بھی نو پید اور رونما ہوتی ہے تو پیدا ہونے سے پہلے اس کی ایک صورت ''عالم قضا'' میں وجود پذیر ہوتی ہے پھر ''لوح محفوظ'' میں وجود پاتی ہے اور اس کے بعد ''لوح محو و اثبات'' میں موجود ہوتی ہے، اسی لوح محو و اثبات کو شریعت میں عام طور پر ''آسمان دنیا'' کی اصطلاح سے تعبیر کیا جاتا ہے

اب سنئے کہ آیت کریمہ ''**و اذ قال ربك للملئكة**'' پر ایک شبہ یہ پیش کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ غنی اور بے نیاز ہیں تو انہوں نے فرشتوں سے خلیفہ مقرر کرنے کے سلسلے میں مشورہ کیوں کیا؟ کیا اللہ تعالیٰ فرشتوں کے مشورے

کے محتاج ہیں؟ نعوذ باللہ۔ اس کے مفسرین نے کئی تشفی بخش جواب دیئے ہیں اور مذکورہ صوفیاء کرام نے بھی ایک جواب دیا ہے ان کا کہنا یہ ہے کہ فرشتوں سے کوئی کلام، اظہار اور مشورہ نہیں ہوا بلکہ ارادۂ الٰہی مذکورہ تینوں مراتب (عالم قضا، لوح محفوظ اور لوح محمود اثبات) میں متصور ہوا بس اسی پر فرشتوں نے اپنا مشورہ پیش کر دیا، پھر ان صوفیا نے اپنی اس بات کو بندوں کے اعمال واقوال سے مثال دے کر واضح کرنا چاہا ہے کہ بندوں کے اعضاء وجوارح ان کے لئے عالم وجود وشہود (دنیا) ہیں اس دنیا میں (اعضاء وجوارح پر) انسان کے اقوال واعمال وجود پذیر ہوتے ہیں لیکن اس سے پہلے وہ اقوال وافعال مقام روح میں موجود ہوتے ہیں (جو انسان کے لئے عالم قضا کے درجے میں ہے) اس کے بعد دل میں (جو لوح محفوظ کے درجے میں ہے) اور پھر قوائے نفسانیہ میں (جو لوح محمود واثبات یعنی "آسمان دنیا" کے درجے میں ہے) متصور ہوتے ہیں اور اب اعضاء وجوارح (انسان کے عالم وجود وشہود) پر ظاہر ہوتے ہیں، اعضاء وجوارح پر ظاہر ہونے سے پہلے والے تینوں درجے انسان کے لئے غیب ہیں، پہلا درجہ (درجہ روح) غیب الغیب سے بھی بلند ہے اور دوسرا مرتبہ (مرتبہ قلب) غیب الغیب ہے جب کہ تیسرا درجہ (مقام قوائے نفسانیہ) ادنیٰ غیب اور "آسمان دنیا" ہے، انسان ان تینوں کو نہیں جانتا ہے حالاں کہ اللہ تعالیٰ کے علم محیط میں ہر مقام ومرتبہ ہے، اسی لئے فرمایا ہے: "میں جانتا ہوں اس بات کو جس کو تم نہیں جانتے۔" واللہ اعلم (محمد مزمل)

۱۰- اللہ تعالیٰ کا ارشاد "وعلّم آدم الأسماء كلها" (اور علم دے دیا اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو سب چیزوں کے اسماء کا) اور مسمیات کی حقیقتیں ذکر نہیں کیں تو کچھ کا علم دیا اور کچھ کا علم نہیں دیا، کیوں کہ مسمیات تو اللہ تعالیٰ کے قول "هؤلاء" (کا مشار الیہ) ہیں ص ۶۴۴، ج ۲، لیکن جس نے کلام الٰہی "ثم عرضهم على الملئكة" (پھر وہ چیزیں فرشتوں کے روبرو کر دیں) سے سمجھا اور "هؤلاء" سے اشارہ کیا تو گویا کہ وہ عدم استغراق کی طرف اشارہ کر رہا ہے اور یہاں اسماء سے وہ اسماء الٰہیہ مراد ہیں جن پر وہ ذوات و اشیاء سہارا لئے ہوئے ہیں جن کی طرف "هؤلاء" سے اشارہ ہے ص ۳۶۷، ج ۳ یعنی بعض کا علم دیا اور وہ اسماء ہیں اور بعض کا یعنی مسمیات کا علم نہیں دیا ص ۳۵۴، ج ۳ وص ۶۴۴، ج ۲ وص ۵۳۷، ج ۳ کیوں کہ جب اللہ تعالیٰ انسانی شکل میں تجلی فرماتے ہیں جیسا کہ (حدیث میں) وارد ہے تو وہ اس صورت میں حسی اور معنوی دونوں طرح ظہور پذیر ہوتے ہیں الخ ص ۳۷۰ و ۳۷۴، ج ۳ اور اس کی علت ص ۳۱۱ اور ۶۶۵، ج ۳ پر مذکور ہے۔

اور جب کہ اسماء الٰہیہ میں عام واعم اور خاص واخص بھی ہیں تو ان میں تقدم وتاخر اور ترتیب بھی صحیح ہوگی اور اسی وجہ سے وجود کی شیئیات نے ترتیب قبول کی ہے ص ۳۷۰ و ۲۳۱، ج ۳ وص ۲۹۴، ج ۲ کیوں کہ وہ حقیقی ترتیب ہے صرف ذکر ووضع کے طور پر نہیں ہے ص ۴۰۴ و ۶۱۷، ج ۲ وص ۹۷ و ۱۵ ج ۲۔ اس لئے کہ تمام چیزوں میں اصل معانی ہی ہیں اور وہ بالذات غیبی اور معقول ہوتے ہیں اور وہ معانی ہی رہتے ہیں ہاں یہ ضرور ہے کہ ہر ایک

(حس، خیال وغیرہ) کے سامنے اسی کے مطابق بدلتے رہتے ہیں ص ۸۹۵، ج ۲ وص ۶۸، ج ۲ عقد، قول اور عمل شریعت کے ہر حکم میں ہوتا ہے اور وہی ایمان ہے ص ۸۹۸، ج ۲ وص ۳۷۷، ج ۲ وص ۱۱۰، ج ۲۔ یقیناً جسم روحوں میں آخری پیدائش میں لپٹ جاتے ہیں ص ۸۸۵، ج ۲ وص ۶۱۴، ج ۳۔

۱۰- صاحب افادات حضرت کشمیریؒ نے اس آیت شریفہ کے تحت انتہائی اختصار کے ساتھ جو اشارے کئے ہیں اور جو حوالہ جات کثرت سے دیے ہیں، جب تک ان حوالوں تک رسائی نہ ہو اور ان مضامین کی مکمل تشریح و توضیح نہ کی جائے اس وقت تک ان کی حیثیت ایک چیستاں سے زیادہ نہیں ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ کتاب کا نام مذکور نہیں ہے جامع افادات حضرت مولانا احمد رضا صاحب بجنوریؒ نے بھی حاشیہ میں صرف یہ لکھا ہے کہ:

''شاید یہ تمام حوالے شیخ اکبر قدس سرہٗ کی فتوحات مکیہ کے ہیں۔''

اللہ کرے ان حوالوں تک پہنچنے کی کوئی راہ نکلے اور یہ مضامین وضاحت کے ساتھ قارئین کی خدمت میں پیش کئے جا سکیں۔ (محمد مزمل)

۱۱- اللہ تعالیٰ کا ارشاد ''وما کنتم تکتمون'' (اور جس کو دل میں رکھتے ہو) اور خدمت کرنا۔

۱۱- یعنی جو بھی صلاحیتیں اور افعال تم اپنے اندر پوشیدہ رکھتے ہو اور ان پر خود بھی بالکل واقفیت نہیں رکھتے کہ ہمارے اندر صلاحیتیں اور اعمال (اللہ نے) پیدا کر دیئے ہیں مثلاً: رحم مادر میں انسان کی شکل وصورت بننا مساجد کی خدمت، ذکر الٰہی کی محبت، صلحا و اتقیاء کے متبرک مقامات پر حاضری، حجاج ومجاہدین کی نصرت واعانت، قہار، غفار، جبار اور ان جیسے اسماءِ الٰہیہ کے مظاہر کا تماشا، زندوں کی جانب سے مردوں کو ثواب اور تحفوں کا پہنچانا، اعمال خیر کی ترقی کے فوائد، راہِ خدا کے رہروں کو ترقی دینا اور ان کی خدمت کرنا، عالم مثال میں وہ تجلیات حضوری جو اس خلیفہ کی کامل اولاد کو حاصل ہوں گی۔ وحی اور کتب الٰہیہ کا نازل ہونا، شرائع و ادیان، ملل و مذاہب اور تصوف کی راہوں کو قائم کرنا وغیرہ (وہ بے شمار صلاحیتیں اور طاقتیں ہیں) جو تمہارے اندر بالقوۃ موجود ہیں (اور جنہیں ہم جانتے ہیں تم ان سے واقف نہیں ہو اور تمہارے لئے) ان چیزوں سے وقف ہونا ہم نے اس خلیفہ کے وجود پر موقوف رکھا ہے کہ اس خلیفہ کے واسطے سے ہم ان چیزوں سے تمہیں آگاہ کریں گے اور تم اس خلیفہ کی خدمت بجا لا کر ان مخفی صلاحیتوں اور معنوی کمالات کو بروئے کار لاسکو گے، جب یہ خلیفہ وجود پذیر ہوگا اور تمہیں ان چیزوں سے مطلع کرے گا کہ کیسی کیسی صلاحیتیں تم اپنے اندر سموئے ہوئے ہو تو اس خلیفہ کا تمہارے اوپر احسانِ عظیم ہوگا کہ اس نے تمہیں اپنی حیثیت وحقیقت سے آگاہ کر دیا اور وہ خلیفہ تمہارے لئے بارگاہِ خداوندی میں زیادہ سے زیادہ قرب حاصل کرنے کا ذریعہ اور وسیلہ بن گیا تو اب تم پر لازم ہوگا کہ اپنا استاذ اور رہبر ورہنما سمجھتے ہوئے اس کی تعظیم بجا لاؤ اور اس کا احترام کرو۔ (فتح العزیز، ص ۱۷۰) ✦......✦......✦